گنگا جمنی تہذیب کا امین: پروفیسر گوپی چند نارنگ

ڈاکٹر اشتیاق احمد شاکر
پورنیہ (بہار)

ملخص

پروفیسر گوپی چند نارنگ گنگا جمنی تہذیب کے امین ہیں۔ وہ بیک وقت کامیاب مقرر، ماہر لسانیات، شگفتہ اسلوب کے خالق اور سیمابی شخصیت کے مالک ہیں۔ اردو ان کی مادری زبان نہیں ہے لیکن اردو ان کے جسم و جان میں اس طرح حلول کر گئی ہے جس طرح انسان کا رشتہ جسم اور روح سے ہوتا ہے۔ اردو تنقید کی تاریخ گوپی چند نارنگ کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنی دیدہ وری، دانشوری اور فنی پختگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کیا ہے اور دیار غیر میں بھی اردو ادب کے فروغ و تحفظ کا سہرا گوپی چند نارنگ کے سر جاتا ہے۔ ادیب و فنکار چاہے وہ کسی بھی زبان اور علاقے سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ صداقت و حق گوئی سے کام لیتا ہو امن و آشتی کا پیامبر ہو انسانیت اور فلاح کا دلدادہ ہو وہ عظیم اور قابل رشک ہے۔ گوپی چند نارنگ کا نظریہ یہی ہے کہ ادیب بھی سماج کے مسائل کو انسانی فلاح و بہبود سے ہمکنار کرنے کی کوشش کرے۔

گنگا جمنی تہذیب کا امین: پروفیسر گوپی چند نارنگ

ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی شہرت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ سرزمین ہند اپنے اندر بے پناہ کشش اور وسعت رکھتی ہے۔ دنیا بھر کے سیاح اور سفر نامہ نگاروں نے یہاں کے رسم و رواج، آب و ہوا، قدرتی مناظر، تہذیبی رنگا رنگی اور آپسی میل جول کی جی کھول کر تعریف کی ہے۔ ہندوستان کو زبانوں کا مرکز کہا جاتا ہے۔ یہاں مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ زبان و ادب کا کوئی مذہب نہیں ہوتا کسی زبان کو کسی مذہب کے ساتھ جوڑنا سراسر غلط ہے۔ عموماً اردو کو مسلمانوں کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے، لیکن اردو زبان و ادب کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانوں نے اردو کے گیسو کو سنوارنے اور نکھارنے کی کوششیں کی ہیں وہیں سینکڑوں غیر مسلم برادران وطن نے اس شیریں زبان کو اپنے خون جگر سے فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، جن میں عالمگیر شہرت کے مالک پروفیسر گوپی چند نارنگ کا نام سرفہرست ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ گنگا جمنی تہذیب کے امین ہیں۔ وہ بیک وقت کامیاب مقرر، ماہر لسانیات، شگفتہ اسلوب کے خالق اور سیمابی شخصیت کے مالک ہیں۔ اردو ان کی مادری زبان نہیں ہے لیکن اردو ان کے جسم و جان میں اس طرح حلول کر گئی ہے جس طرح انسان کا رشتہ جسم اور روح سے ہوتا ہے۔ اردو تنقید کی تاریخ گوپی چند نارنگ کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنی دیدہ وری، دانشوری اور فنی پختگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کیا ہے اور دیار غیر میں بھی اردو ادب کے فروغ و تحفظ کا سہرا گوپی چند نارنگ کے سر جاتا ہے۔ اردو کی صورتحال پر وہ اپنے سفر نامہ ''سفر آشنا'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''جب ہم آکسفورڈ کے لئے روانہ ہوئے تو موسم صاف تھا، سڑکیں خالی راستہ بھر باتیں ہوتی رہیں اور سفر مزے سے کٹا۔ تین بجے ہم آکسفورڈ پہنچ گئے لندن اور لندن کے نواح لگ بھگ ہر جگہ اردو کے ادیب و شاعر آباد ہیں۔

ایک حالیہ جائزے کے مطابق برطانیہ میں اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس وقت اردو بولنے والوں کا اوسط برطانیہ کی کل آبادی کا دو فیصد ہے اور یہ حقیقت ہے کہ برطانیہ میں انگریزی کے بعد اردو ہی رابطے کی دوسری بڑی زبان ہے۔'' (سفر آشنا ص ۵۲)

گوپی چند نارنگ کا یہ امتیاز اور انفرادیت ہے کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہ زبان وادب کے حوالے سے اور گنگا جمنی تہذیب کے فروغ سے متعلق بات کرنے کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کا احساس ہے کہ ادیب وشاعر کو حق وصداقت کا عملی نمونہ ہونا چاہئے اور اپنی صلاحیت ولیاقت کا استعمال انسانیت کی ترقی قوم وملک کی بھلائی کے لئے وقف کرنا چاہئے۔ وہ ہمیشہ مذہبی تنگ نظری، عقائد، افکار وخیالات کی سختی سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:

'' ہمارے معاشروں میں بہت سے گروہ ایسے بھی پیدا ہوگئے ہیں جو مذہب کا استحصال کرتے ہیں اور مذہب کو انسانی خدمت، ایثار یا اخلاص ومحبت کے بجائے منافرت، تعصب اور تنگ نظری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ معاف کیجئے یہ مذہب کا وہ استعمال ہے جن کے لئے کوئی بھی مذہب خلق نہیں ہوا تھا۔'' (گوپی چند نارنگ سے ایک غیر رسمی مکالمہ ''الفاظ، علی گڑھ'' بحوالہ گوپی چند نارنگ حیات وخدمات۔ ڈاکٹر محمد حامد علی خاں ص ۵۱)

پروفیسر نارنگ کے یہاں انسانی اقدار کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نارنگ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں تھیں اس سے اثر قبول کیا تھا۔ انہوں نے دوسری عالمی جنگ کو دیکھا اور محسوس کیا کہ اس وقت پوری دنیا میں خوف ودہشت، ظلم وستم اور بے شمار مسائل کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ ہندوستان میں بھی تردد وانتشار کی کیفیت تھی، ہندوستان پر بھی دوسری عالمی جنگ میں شامل ہونے کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ سیاسی وسماجی اتھل پتھل کے دوران ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنے عہد کی سیاسی سرگرمیوں سے فطری طور پر متاثر ہوئے۔ اس کا اہم فائدہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر نارنگ میں عزم وحوصلہ، مایوس کن حالات سے مقابلہ کرنے کی بنا پر صلاحیت پیدا ہوئی وہ باضابطہ طور پر عملی سیاست میں شامل نہیں ہوئے تھے لیکن مہاتما گاندھی، نہرو اور مولانا آزاد سے خاص تعلق کی بنا پر اپنے مخلصانہ فکر وخیالات کے ذریعے ملک

کی تعمیر میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ مولانا آزاد کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ آزاد صدی کی تقریب کے دوران انہوں نے جو خطبہ پیش کیا تھا وہ ملاحظہ کیجئے:

''حضرات! مولانا آزاد غیر معمولی انسان تھے۔ وہ حب الوطنی وعزم وارادے کا آہنی پہاڑ تھے۔ وہ کچھ ایسی خوبیوں کے مالک تھے کہ جس میدان میں انہوں نے قدم رکھا، سیاست ہو یا مذہب، ادب ہو یا صحافت، انہوں نے اپنے ولولے، جذبات کی سچائی اور جوش عمل سے دھوم مچادی۔ وہ ہمارے ان قومی رہنماؤں میں تھے جن کے دانش اور تدبر پر گاندھی جی اور جواہر لعل نہرو بھروسا کرتے تھے۔ مولانا عالم دین بھی اس پائے کہ تھے کہ بڑے بڑے علماء ان کا نام احترام سے لیتے تھے اور خطیب وادیب وانشا پرداز بھی اس مرتبے کے کہ ایک صدی ہونے کو آئی زمانہ بھر ابوالکلام آزاد کی نظیر پیدا نہ کرسکا۔ ہندوستان کے دل کی دھڑکن کو، ہندوستان کے قومی مسائل اور ہندو مسلمان کے جذبات کو جیسا مولانا جانتے تھے انہیں کا حصہ تھا۔''

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گوپی چند نارنگ کے جس طرح گہرے مراسم جواہر نہرو اور گاندھی جی سے تھے اسی طرح مولانا آزاد بھی ان کی نگاہ میں قابل احترام تھے۔ ان کی قومی، ملی، سماجی، مذہبی رواداری کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کر کے وسیع المشربی کا ثبوت پیش کیا ورنہ عام طور پر تعصب کی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات جب ذہنوں میں تعصب کی سبز چادر اوڑھ لی جاتی ہیں اس وقت نام اور مذہب سے فاصلے بڑھ جاتے ہیں۔ اعتراف کے بجائے افترا کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ کون انصاف پسند سیکولر مزاج ہندوستانی نہیں جانتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور گنگا جمنی تہذیب کی تعمیر میں مسلمانوں کی خاص کر علمائے کرام کی بے مثال قربانیاں شامل ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی ایک خاص مقدمہ میں عدالت کو بڑے ہی حوصلے اور عزم کے ساتھ مخاطب تھے:

''اگر گورنمنٹ کا منشا مذہبی آزادی کو سلب کرنا ہے تو صاف صاف اعلان کر دیا جائے تا کہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کرلیں آیا ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا۔ اسی طرح ۲۲ کروڑ ہندو بھی غور کرلیں کہ ان کو کیا کرنا

چاہئے، کیوں کہ جب مذہبی آزادی چھینی جائے گی تو سب کی چھینی جائے گی۔''

(بحوالہ متاع قلم ص ۳۰۹)

آج ملک میں جو حالات ہیں فرقہ پرستی کا جادو جو سر چڑھ کر بول رہا ہے، ذات پات کی جو سیاست ہو رہی ہے دلت اور مسلم کو نشانہ بنایا جا رہا ہے مسلمانوں سے حب الوطنی کی سند مانگی جاری ہے ایسے حالات میں ادیبوں اور شاعروں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے کہ مثبت انداز میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ مذکورہ بالا اقتباس سے فرقہ پرست طاقتوں کو سبق سیکھنا چاہئے کہ جب مذہبی آزادی کو انگریزوں کی جانب سے چھیننے کا کوشش کی گئی سب سے پہلے مسلمانوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر نہ صرف اپنے مذہب کی حفاظت کا بیڑہ اٹھانے کی ذمہ داری لی بلکہ ابنائے وطن کو بھی اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے للکارا۔ مجھے اس وقت جگر مرادآبادی کے یہ اشعار بے حد یاد آرہے ہیں۔

چمن کے مالی ، اگر بنالیں موافق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی
زمیں بدلی ، زمانہ بدلا ، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے
جو تنگ و تاریک ذہنیت تھی ، وہی جو بروئے کار اب بھی
وسیع مسلک ، رفیع فطرت ، خلوص ایماں خلوص نیت
انہیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی

ادیب و فنکار چاہے وہ کسی بھی زبان اور علاقے سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ صداقت وحق گوئی سے کام لیتا ہوا امن وآشتی کا پیامبر ہو انسانیت اور فلاح کا دلدادہ ہو وہ عظیم اور قابل رشک ہے۔ گوپی چند نارنگ کا نظریہ یہی ہے کہ ادیب بھی سماج کے مسائل کو انسانی فلاح و بہبود سے ہمکنار کرنے کی کوشش کرے۔ گوپی چند نارنگ کی دانشوری، دیدہ وری اور وسیع المشربی کی معنویت پر ڈاکٹر محمد حامد علی خاں لکھتے ہیں:

''میں نہیں کہتا کہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کوئی ایسے انساں ہیں جنہیں فوق العادات یا فوق الفطری وجود تصور کیا جائے۔ وہ انسان کے کس درجے پر فائز ہیں اس سے بھی بحث نہیں۔ لیکن زبان، فرد، خاندان، گاؤں، شہر، صوبہ، مسلک کی سرحدوں

سے آگے نکل کر پڑوسی ممالک سے مل جل کر دکھ، درد اور خوشیوں میں شریک ہو کر دور دراز ممالک میں جا کر اگر اپنی زبان، اپنی قوم اور اپنے ملک کی نمائندگی کر رہے ہیں تو کیا یہ خدمت خلق نہیں؟ ہمیں سمجھنا چاہئے کہ حق کی گفتگو اگر انسان کی زبان سے ادا ہوتی ہے تو وہ زبان بھی حق ہی کی ہوتی ہے۔ اس کے عمل سے ایسے اقدام رونما ہوتے ہیں تو وہ بھی حق ہی کے اقدام ہوتے ہیں۔''

(گوپی چند نارنگ: حیات وخدمات ص ۶۷ حامد علی خاں)

گوپی چند نارنگ کی شخصیت میں انسان دوستی، بے پناہ لگاؤ، اردو سے عشق، ہندوستانی تہذیب وتمدن کے دلدادہ اور ہندو مسلم اتحاد شامل ہیں۔ وہ تہذیبی رشتے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نوعیت کے اعتبار سے تہذیبی رشتے خاصے پیچیدہ اور جدلیاتی ہوتے ہیں اور ذہن ومزاج اور تاریخ وعمرانیات میں گتھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اس قول محال کی صورت ہیں کہ بیٹا اپنا باپ بھی ہے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فردوسی ورومی و سعدی وحافظ ہر چند کہ اپنی تہذیب کے بطن سے پیدا ہوئے، لیکن یہ اس تہذیب کے معمار اور اس کے نقش گر بھی ہیں۔ بعینہ والمیکی ہوں، ویاس یا کالی داس یہ ہندوستانی ذہن ومزاج یا تہذیب وشعریات کے پروردہ یا تشکیل کردہ بھی ہیں اور اس کے تشکیل کنندہ بھی۔ یہی معاملہ جدید ہندوستانی ادبی روایتوں اور کلچر کا بھی ہے۔ اردو ملی جلی ادبی اور تہذیبی روایتوں کے بطن سے ابھری ہے اور اپنی نقش گری خود بھی کرتی ہے۔ اس ضمن میں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے۔ ہندی و بنگالی ومراٹھی سے اس کا رشتہ اصلی واساسی ہے۔ اس کا ذہن ومزاج ہندوستانی ہے لیکن اس میں عربی و فارسی اثرات کا رنگ چڑھا ہے۔ اس کی شعریات باقی تمام ہندوستانی زبانوں سے اس اعتبار سے الگ ہے کہ اس نے عربی فارسی اجزاء کو انڈک سے ممزوج کر کے ایک نیا ہیولیٰ خلق کیا ہے۔ جس کی بدولت یہ نہ عربی فارسی کی کاربن کاپی ہے نہ سنسکرت کی۔:''

گوپی چند نارنگ نے نہ صرف اردو میں لکھا بلکہ انگریزی اور ہندی زبان میں بھی اپنی یادگار

تصانیف پیش کی ہیں۔اردواور ہندی کے رشتوں پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اپنے ملک کی رنگا رنگی، کثرت میں وحدت، ہندو مسلم شعرا کی شاعری میں ہندوستانی عناصر کی جا بجا عکاسی، مذہبی رواداری اور گنگا جمنی تہذیب کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں انہوں نے اپنے تحقیقی وتنقیدی بصیرت سے اپنی مایہ ناز کتاب'' اردو غزل اور ہندوستانی ذہن وتہذیب'' میں شرح وبسط کے ساتھ مختلف تہذیبوں اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی جو روایت رہی ہے چاہے واسلامی تہذیب ہو یا بھکتی تحریک ہندوستانی تلمیحات ہو یا تشبیہات بڑے ہی دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔وہ خود ہندو مسلم مذہبی اختلافات کے باوجود بھائی چارگی کا بہترین نمونہ ہیں۔

> '' قدیم صوفیوں کے ملفوظات سے مذہب کے اختلاف کے باوجود باہمی محبت اور اخوت کے ایسے کئی واقعات کا پتہ چلتا ہے۔شیخ اسماعیل لاہوری کی مجلس وعظ میں ہندو ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوتے تھے،فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ میں کئی جوگی آتے تھے اور تصوف کے مسائل پر گفتگو ہوتی تھی ۔'' (اردو غزل اور ہندوستانی ذہن وتہذیب ص ۹۴)

حالات حاضرہ میں ہندو مسلم اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔سرزمین ہند جس کا شہرہ چرچا صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ان کی رواداری، آپسی بھائی چارگی انیکتا میں ایکتا کی مثال ہے اس کو سنبھال کر رکھیں۔گنگا جمنی تہذیب سے متعلق جو بھی لٹریچر ہوں ان کا ترجمہ کرایا جائے تاکہ ہندی اردو والے ایک دوسرے سے قریب ہوسکیں اور اخوت ومحبت کا پرچار ہو سکے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوسکیں۔

☆☆☆